© rasailojaraid.com

فقہ و اجتہاد

انسانی اعضا کی پیوند کاری

مولانا گوہر رحمٰن

"اعضا کی پیوند کاری" پر ایک مذاکرہ مارچ ۹۵ کے شمارے میں شائع کیا گیا تھا جس میں بھارت کے ممتاز علما شریک تھے۔ اب ہم مولانا گوہر رحمٰن کی ایک تحریر پیش کر رہے ہیں جو انھوں نے درج ذیل سوال کے جواب میں لکھی ہے۔ (مدیر)

مثلہ کی ممانعت سے انسانی اعضا کی پیوند کاری کی ممانعت ثابت کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ مثلہ تو دشمنی میں انتقام کے لیے اعضا کے کاٹنے کو کہا جاتا ہے اور وہ بھی مرنے والے یا اس کے وارثوں کی مرضی کے خلاف۔ اور پیوند کاری مرنے والے اور اس کے ورثا کی مرضی سے انسانی جانوں کو بچانے کے لیے کی جاتی ہے۔ مصنوعی اعضا اور جانوروں کے اعضا کے استعمال کی کوشش تو جاری ہے لیکن ہر جگہ فائدہ مند ثابت نہیں ہوئی ہے۔ جب تک یہ کامیاب نہ ہوں کیا تب تک اعضا کی پیوند کاری کی اجازت ہو سکتی ہے؟ معلوم ہوا ہے کہ سعودی عرب کے علما نے سرکاری طور پر اعضا کی پیوند کاری جائز قرار دے دی ہے خصوصاً گردے کی پیوند کاری۔

آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ مثلہ انتقام اور تحقیر و تذلیل کے لیے اعضا کاٹنے اور شکل و صورت بگاڑنے کو کہتے ہیں۔ الصحاح میں علامہ جوھریؒ لکھتے ہیں: "مثل بہ کے معنی ہیں نکل' (یعنی اس نے اس کو شدید اور عبرت ناک سزا دی ہے) مثلہ اسم ہے (جس کے معنی ہیں اعضا کا کاٹنا اور شکل بگاڑنا) اور مثلہ عذاب کو کہتے ہیں جس کی جمع مثلات آتی ہے۔

مَثُلات عقوبات کے معنوں میں قرآن کریم میں بھی آیا ہے: وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (الرعد ۱۳:۶) "اور گزر چکی ہیں ان سے پہلے مثالیں عذاب کی"۔ ابن منظور افریقی اور مجد الدین فیروز آبادی نے بھی اسی طرح لکھا ہے کہ مثل مثلۃً کے معنی ہیں "نکل" یعنی شدید سزا دینا۔ جار اللہ زمخشریؒ اور ابن الاثیر جزریؒ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دونوں نے مثلاً اور مثلۃ کے معنی یہی بیان کیے ہیں: شکل و صورت بگاڑنے کے لیے اعضا کاٹنا۔

اس لغوی تحقیق سے معلوم ہوا کہ مثلہ یا تو بدلہ لینے کے لیے کیا جاتا ہے یا محض غصہ نکالنے اور دل ٹھنڈا کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اس سے رسول اللہؐ نے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔ آپؐ مجاہدین کو رخصت کرتے وقت ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ دشمن کی "لاشوں کا مثلہ نہ کیا کرو"۔ لاشوں کی بے حرمتی کرنا، ان کی شکل بگاڑنا، ناک، کان، ہاتھ پاؤں کاٹ کر اور چیر پھاڑ کر کے غصہ نکالنا اور دل ٹھنڈا کرنا اسلامی اور انسانی اخلاق، دونوں کے خلاف ہے۔

اس لغوی بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ دوسرے انسان کی زندگی بچانے کے لیے پیوند کاری کی نیت سے عضو کاٹنا مثلہ نہیں ہے۔ لیکن یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ اعضا کاٹنا اور چیر پھاڑ کرنا بہرحال بے حرمتی اور تذلیل ہے۔ اگر اس میں میت کی بے حرمتی اور تذلیل و توہین نہ ہوتی تو لوگ دل ٹھنڈا کرنے اور غصہ نکالنے کے لیے مثلہ نہ کرتے۔ اس لیے اس کی اجازت "ضرورت شدیدہ" اور "مصلحت شرعیہ" کے بغیر نہیں دی جا سکتی۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب، صدر مدرس دارالعلوم سبیل السلام حیدر آباد دکن نے لکھا ہے کہ اہانت و اکرام عرفی چیزیں ہیں اور ہمارے زمانے میں اعضا کی پیوند کاری کو توہین نہیں سمجھا جاتا (ترجمان القرآن، مارچ ۱۹۹۵، ص ۳۴)۔

یہ بات درست ہے کہ جن احکام کا مدار عرف و عادت پر ہو اور نصوص خاموش ہوں تو وہ عرف کے بدلنے سے بدل جاتے ہیں۔ حافظ ابن قیم نے اعلام الموقعین میں اس کی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں۔ الموافقات کے حوالے سے سر کھولنے اور نہ کھولنے کی جو مثال انھوں نے پیش کی ہے وہ بھی صحیح ہے، اس لیے کہ شریعت میں سر کھولنا بھی جائز ہے اور ڈھانپنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس بارے میں عرف و عادت کو مدار حکم بنایا جا سکتا ہے۔

لیکن انسان کے اعضا کاٹنے کا اہانت ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ صحیح مسلم اور سنن میں مثلہ کرنے سے ممانعت کی وجہ یہی ہے کہ یہ موجب اہانت اور منافی تکریم ہے۔ اگر یہ فی نفسہ اہانت نہ ہوتی تو شارعؑ اس کی ممانعت نہ کرتے بلکہ اس بارے میں سکوت فرماتے اور یہ معاملہ پھر مصالح مرسلہ اور عرفیات میں شامل ہو جاتا۔

اسی طرح میت کی ہڈی توڑنے کی ممانعت بھی حدیث میں آئی ہے اور یہ بھی منصوص ہے، عرفی چیز نہیں ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا: "مردہ انسان کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسا کہ زندہ کی ہڈی توڑنا"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس حدیث کی سند میں سعد بن سعید بن عمرو انصاری المدنی المتوفی ۱۴۱ھ آئے ہیں جن کو بعض ائمہ نے ضعیف کہا ہے، لیکن ابن سعدؒ، ابن عدیؒ، ابن معینؒ اور ابن حبانؒ نے انھیں ثقہ اور قابل قبول قرار دیا ہے، اور مسلمؒ، ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ اور ابن ماجہؒ کے رواۃ میں وہ شامل ہیں۔ جابر بن عبداللہؓ نے اس حدیث کا جو شان ورود بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبر بنانے والا کسی تذلیل و توہین کی غرض سے ہڈی کو نہیں توڑ رہا تھا بلکہ ویسے ہی توڑنا چاہتا تھا تاکہ دوسرے مردے کی قبر میں یہ باقی نہ رہے۔ مگر رسول اللہؐ نے اسے کسی کونے میں دفن کرنے کا حکم دیا اور توڑنے کی اجازت نہ دی۔ معلوم ہوا کہ میت کے اعضا توڑنا یا کاٹنا بجائے خود اہانت ہے خواہ توہین کی نیت ہو یا نہ ہو۔

اس تفصیل سے میرا مقصد یہ ہے کہ اعضا کے کاٹنے کا اہانت ہونا منصوص ہے یہ کوئی عرفی چیز نہیں ہے کہ عرف کے بدلنے سے حکم کو تبدیل کر دیا جائے۔ باقی رہی یہ بات کہ ضرورت و مصلحت کی بنا پر یہ اہانت قابل برداشت ہے یا نہیں؟ اس کے بارے میں اہل علم اور اہل اجتہاد کوئی رائے قائم کر سکتے ہیں۔ میں بھی اس بارے میں اپنی طالب علمانہ رائے کا اظہار اپنے مقام پر کروں گا۔

اعضا کے قطع و برید کی ممانعت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ انسانی جسم کے اجزا کا استعمال کرنا بجائے خود اس کی توہین و تذلیل ہے۔ اگر اس کی اجازت دے دی جائے تو انسانی اعضا اموال تجارت بن جائیں گے اس لیے کہ جن چیزوں کا استعمال جائز ہو، ان کی خرید و فروخت بھی جائز ہوتی ہے۔

انسانی بالوں کا استعمال اسی لیے منع کیا گیا ہے کہ یہ انسانی کرامت کے منافی ہے ورنہ فی نفسہ زینت و آرائش ممنوع نہیں ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ انصار کی ایک عورت نے اپنی بیٹی کی شادی کی تھی لیکن اس کے سر کے بال کسی وجہ سے گر گئے تھے۔ وہ عورت نبی کریمؐ کے پاس آئی اور کہا کہ میری بیٹی کا شوہر مجھے کہتا ہے کہ میں اس کے بالوں میں دوسرے بالوں کا جوڑ لگا دوں۔ آپؐ نے فرمایا: لا انہ قد لعن الموصلات، نہیں! بالوں کے ساتھ بال جوڑنے والیوں پر تو لعنت کی گئی ہے۔ (بخاری)

فقہا نے اس کی ممانعت اور موجب لعنت ہونے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ عمل انسانی بالوں کی توہین ہے اور انسانی کرامت کے منافی ہے۔ ورنہ اون وغیرہ کا جوڑنا جائز ہے۔ الھدایہ میں یہی وجہ بیان کی گئی ہے: "انسان کے بالوں کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے اور ان سے نفع اٹھانا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسان مکرم و محترم ہے، استعمال کی چیز نہیں ہے۔ پس اس کے اجزا میں سے کسی جزو کو حقیر اور مستعمل چیز بنانا جائز نہیں ہے۔ مگر اون سے بنائی ہوئی موباف کا استعمال جائز ہے تاکہ عورتوں کے سر کے بالوں اور گیسوؤں میں اضافہ کیا جائے" (اس لیے کہ یہ انسان کے اجزا نہیں ہیں)۔ درج بالا عبارت کا مفہوم فقہ کی عام کتابوں میں موجود ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہی حکم عورت کے دودھ کا ہے۔ رضاعت کی مدت میں تو یہ بچے کی فطری غذا ہے اور حلال طیب ہے، لیکن رضاعت کے بعد یہ دودھ پینا اور پلانا حلال نہیں ہے۔ علامہ علاء الدین حصکفیؒ درمختار میں لکھتے ہیں: "مدت (دو سال یا زیادہ سے زیادہ اڑھائی سال) کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں ہے، اس لیے کہ یہ انسان کے جسم کا جزو ہے اور انسان کے اجزا سے بغیر ضرورت کے نفع اٹھانا حرام ہے"۔

دودھ کی حرمت کی وجہ نجاست نہیں ہے۔ مگر انسانی خون اور پیشاب کا استعمال اس لیے حرام ہے کہ یہ دونوں نجس بھی ہیں، اور انسان کے جسم کا جزو بھی ہیں البتہ اضطراری حالت میں بطور دوا خون اور بول کا استعمال جائز ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ: "مریض کے لیے دوا کے طور پر خون اور پیشاب پینا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان ڈاکٹر نے اسے کہا ہو کہ اس کا علاج یہی ہے اور اس کا متبادل حلال علاج میسر نہیں ہے۔ اگر ڈاکٹر نے یہ کہا ہو کہ اس کے ذریعے تم جلدی شفایاب ہو جاؤ گے تو ایسی صورت میں دو قول ہیں"۔

اسی طرح ضرورت کے وقت علاج کے طور پر عورت کا دودھ استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ ابن الہمامؒ فتح القدیر میں لکھتے ہیں: طبیب ثابت کرتے ہیں کہ لڑکی والی عورت کا دودھ آنکھ کے درد کے لیے مفید ہے۔ اس بارے میں مشائخ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اگر یہ معلوم ہو جائے (ظن غالب سے) کہ اس دودھ کے استعمال سے آشوب چشم چلا جائے گا تو جائز ہے"۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: "اس میں کوئی باک نہیں ہے کہ دوا کے طور پر عورت کا دودھ کسی شخص کی ناک میں ڈالا جائے یا وہ اسے پی لے"۔

انسانی ہڈی کی پیوند کاری کو بھی اسی وجہ سے فقہا نے ممنوع قرار دیا ہے کہ یہ عضو انسانی ہے۔ "فقہا نے کہا ہے کہ انسان اور خنزیر کی ہڈی سے علاج مکروہ ہے اس لیے کہ اس سے نفع اٹھانا حرام ہے"۔ (فتاویٰ قاضی خان)

امام شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: "انسان اپنی موت کے بعد بھی واجب الاحترام ہے جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں واجب الاحترام تھا۔ پس جس طرح کہ زندہ انسان کے کسی جزو کو بطور علاج استعمال کرنا اس کے اکرام و احترام کی وجہ سے حرام ہے اسی طرح مردہ انسان کی ہڈی سے علاج کرنا بھی حرام ہے"۔

مذکورہ احادیث اور فقہا کے اقوال سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ انسان کے اعضا و اجزا کی چیر پھاڑ بھی اہانت ہے اور ان کا استعمال بھی اہانت ہے اور منافی اکرام و احترام ہے۔ خواہ اہانت کی نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ عرف عام میں اسے اہانت سمجھا جا رہا ہو یا ایثار اور قربانی سمجھا جا رہا ہو۔ البتہ اس بارے میں غور و فکر اور اجتہاد و تحقیق کی جا سکتی ہے اور کی جا رہی ہے کہ اضطراری حالت میں قاعدہ "اھون البلیتین" کے تحت اعضا کی پیوند کاری کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے پہلے ایک سوال کا جواب دینا ضروری ہے تاکہ مسئلے کی پوری طرح تنقیح ہو جائے اور کوئی غلط مبحث باقی نہ رہے۔ وہ یہ کہ کیا اعضا کا عطیہ دینا یا اس کی وصیت کرنا ایثار کے مفہوم میں شامل ہے؟ جس کی قرآن و سنت میں بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے اور جو صحابہ کرامؓ کی امتیازی صفت تھی۔

اس سوال کا جواب ایک دوسرے سوال کے جواب پر موقوف ہے اور وہ یہ ہے کہ کیا انسان اپنے جسم کا مالک ہے؟ اور کیا اسے اپنے جسم اور مال میں تصرف کرنے کا کلی اور غیر مشروط اختیار حاصل ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ انسان کے جسم اور مال کا مالک اللہ ہے۔ انسان کے مالک ہونے کے معنی صرف یہ ہیں کہ اسے شرعی احکام کی حدود کے اندر رہتے ہوئے اپنے جسم کے اعضا و اموال اور اشیا و استعمال سے نفع اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

ایثار کے معنی ہیں اپنی ضرورت اور حاجت پر دوسروں کو ترجیح دینا۔ قرآن کریم میں یہ لفظ انصار کے بارے میں آیا ہے جنھوں نے پیش کش کی تھی کہ ہمارے باغات کو ہمارے اور ہمارے مہاجر بھائیوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ سورۃ الحشر (۵۹:۹) میں یُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ کے سیاق و سباق اور شان نزول دونوں سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر ایثار سے مراد مالی ایثار ہے کہ خود بھوکے پیاسے رہ کر بھی مہاجرین کو کھلاتے اور پلاتے تھے۔ اس ایثار کی مالک حقیقی نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی ہے بلکہ اس کی بہت بڑی فضیلت بیان کی ہے۔ لیکن یہ تو کسی آیت یا حدیث میں یا آثار صحابہؓ و تابعینؒ میں نہیں آیا کہ مریض کے جسم میں لگانے کے لیے اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر عطیہ دیا جائے یا اس کی وصیت کی جائے تو یہ بھی ایثار ہے اور اس کی بھی فضیلت ہے۔ مالک حقیقی کی ہدایت تو یہ ہے کہ اپنے جسم کے اعضا و اجزا کا تحفظ کیا جائے۔ اسی لیے خودکشی بھی حرام ہے اور اپنے اعضا کو کاٹنا اور زخمی کرنا یا ان کی صلاحیتوں کو ضائع کرنا بھی حرام ہے۔ البتہ اپنی جان کو غلبہ دین کے لیے قربان کرنا شہادت فی سبیل اللہ ہے اور بہت بڑی سعادت ہے جس کی آرزو سنت رسولؐ ہے۔ اسی طرح دعوت دین اور اعلاء دین کے لیے اپنی پوری صلاحیتوں اور قوتوں کو استعمال کرنا بھی جہاد ہے۔ یہی حال خدمت خلق کا ہے کہ اپنی جسمانی اور علمی و فکری قوت و صلاحیت کو اللہ کی مخلوق کی خدمت کرنے کے لیے روبعمل لانا، مظلوم کو ظلم سے بچانا اور ڈوبنے اور مرنے والے کو بچانے کے لیے اپنی جسمانی اور مالی قوت کو استعمال کرنا عبادت ہے اور تقاضاے ایمان ہے۔

بہرحال ایثار اور ہمدردی یا خدمتِ خلق سے متعلق آیات و احادیث اور آثار صحابہؓ و تابعینؒ کو انسانی اعضا کی پیوند کاری کے جواز کی دلیل بنانا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض لوگ درج ذیل واقعے کو اعضا کے عطیہ کے جواز کے لیے بطور نظیر پیش کرتے ہیں۔ اس لیے اس کی وضاحت بھی ضروری ہے۔

"جنگ یرموک میں حارث بن ہشامؓ عکرمہؓ بن ابی جہل اور عیاشؓ بن ربیعہ زخمی ہو کر گر گئے تھے۔ حارثؓ نے پانی مانگا۔ جب پانی لایا گیا تو عکرمہ نے پانی کی طرف دیکھا۔ حارثؓ نے کہا پہلے اس کو دے دو جب عکرمہؓ نے پانی لیا تو عیاشؓ نے اس کی طرف دیکھا۔ عکرمہؓ نے کہا کہ پہلے اسے پلا دو لیکن پانی عیاشؓ کے پاس ابھی پہنچا نہیں تھا کہ وہ مر گیا اور جب یہ پانی دوسروں کے پاس واپس لایا گیا تو وہ دونوں بھی مر گئے تھے"۔ (المستدرک الحاکم)۔

اس قصے میں اس ایثار کا ذکر ہے جو نصوص سے ثابت ہے، یعنی خود بھوکا پیاسا رہ کر دوسروں کو کھلانا اور پلانا۔ اس قصے کا آخر اپنے جسم کا کوئی عضو کاٹ کر عطیہ دینے سے کیا تعلق ہے؟ اول، یہ بات یقینی نہیں تھی کہ پانی پینے سے ان کی زندگی بچ سکتی تھی۔ دوم، پانی دستیاب بھی تھا لیکن ان میں سے ہر ایک دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے خود پیاس کی وجہ سے مر گیا۔ سوم، ان کی موت کی ظاہری وجہ تو جہاد میں زخمی ہونا تھا، البتہ پانی پینے سے ان کی پیاس میں کمی آسکتی تھی اور کچھ آرام مل سکتا تھا لیکن انھوں نے اپنے آرام پر دوسروں کے آرام کو ترجیح دی جو بہت بڑی نیکی تھی۔ چہارم، پانی ان کے جسم کا کوئی جزو تو نہیں تھا کہ انھوں نے کاٹ کر دوسرے کو دے دیا کہ اسے اعضا کے عطیہ کی نظیر بنایا جا سکے۔ پنجم، اس کے علاوہ، یہ روایت صحیح بھی نہیں ہے۔ ایک تو اس کی سند متصل نہیں ہے۔ اس لیے کہ اس قصے کے راوی حبیب بن ابی ثابتؒ ہیں جو جنگ یرموک میں شریک نہیں تھے۔ اس لیے بھی کہ ان کا انتقال ۱۱۹ھ میں ہوا تھا اور یرموک کا معرکہ ۵ رجب ۱۵ھ میں ہوا تھا۔ ابن قتیبہ دینوریؒ (متوفی ۲۷۶ھ) نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

"میرے نزدیک یہ روایت من گھڑت ہے اس لیے کہ اہل سیرت نے ذکر کیا ہے کہ عکرمہؓ بن ابی جہل جنگ اجنادین (۱۳ھ) میں شہید ہوئے تھے، عیاشؓ بن ابی ربیعہ کا انتقال مکہ میں ہوا تھا اور حارث بن ہشامؓ کی موت طاعون عمواس (۱۸ھ) میں واقع ہوئی تھی" (عیون الاخبار)۔ ابن سعدؒ نے بھی لکھا ہے کہ حارثؓ ۱۸ھ کے طاعون عمواس میں فوت ہوئے تھے اور عکرمہؓ ۱۳ھ میں جنگ اجنادین میں شہید ہوئے تھے (طبقات ابن سعدؒ)۔

اس قسم کے واقعات اور بھی نقل ہوئے ہیں کہ بعض اہل ایثار نے خود بھوک اور پیاس برداشت کی ہے مگر اپنے ساتھیوں کو کھلایا پلایا اور پہنایا ہے۔ لیکن ایسی کوئی مثال موجود نہیں ہے کہ کسی نے دوسرے کو موت سے بچانے کے لیے اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھلایا ہو یا اپنے جسم کی کوئی ہڈی یا دوسرا عضو کاٹ کر پیوند کاری کے لیے دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ فقہا نے اس قسم کے ایثار کو ممنوع قرار دیا ہے (قاضیخان برحاشیہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمگیری)۔

"مضطر یعنی بھوک سے مرنے والے کو جب کھانے کے لیے مردار نہ ملے اور اس کی موت کا خطرہ ہو اور کوئی شخص اسے کہے کہ میرا ہاتھ یا میرے جسم کا ایک ٹکڑا کاٹ کر کھا لو تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور اس کی اجازت دینا بھی جائز نہیں ہے جیسا کہ بھوک سے نڈھال شخص کے لیے خود اپنے جسم کا ٹکڑا کاٹ کر کھانا جائز نہیں ہے" (فتاویٰ قاضیخاں)۔

اپنے جسم کا گوشت کاٹ کر کھانے کے بارے میں بعض شافعیہ کی رائے یہ ہے کہ اگر اپنے بدن کا کوئی ٹکڑا کاٹنے سے اس کی موت کا خطرہ نہ ہو اور ظن غالب یہ ہو کہ زخم مندمل ہو جائے گا تو اس صورت میں کاٹ کر زندگی بچانے کے لیے کھانا جائز ہے۔ لیکن اپنے جسم کا ٹکڑا کاٹ کر بھوک سے مرنے والے کو کھلانا بالاجماع ناجائز ہے۔

"بغیر کسی اختلاف کے یہ جائز نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنے لیے کسی معصوم (جس کا قتل حرام ہو) کے جسم کا ٹکڑا کاٹے اور کسی دوسرے شخص کے لیے بھی بغیر کسی اختلاف کے بالاتفاق یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے اعضا میں سے کوئی عضو کاٹ کر بھوک سے مرنے والے کو کھانے کے لیے دے۔ امام الحرمینؒ اور دوسرے اصحاب نے اس کی تصریح کی ہے" (المجموع شرح المھذب للنوویؒ)۔

قواعد شرعیہ اور اعضا کی پیوند کاری

انسانی اعضا کی قطع و برید اور استعمال کے جواز پر کوئی "نص" موجود نہیں ہے بلکہ اس کے عدم جواز کی نصوص موجود ہیں۔ اسی طرح انسانی اعضا کا عطیہ دینے کے جواز و فضیلت پر کوئی شرعی نص موجود نہیں ہے، اور ایسے عطیے کو کھانے، پینے کی چیزوں کے عطیے پر یا انسانی جسم کی قوت و صلاحیت کے استعمال پر قیاس کرنا نصوص کے مقابلے میں قیاس کرنا ہے جو جائز نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ حرام کو حلال پر اور مکروہ کو مستحب پر تو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اب اس مسئلے میں تحقیق و اجتہاد کا دارومدار صرف فقہی قواعد پر ہے جو نصوص سے مستنبط ہیں۔ ہمارے نزدیک اس زیر غور مسئلے پر تین قواعد کا انطباق ہو سکتا ہے۔

۱۔ الضرورات تبیح المحظورات "ضرورتیں ناجائز چیزوں کو جائز بنا دیتی ہیں"۔

"ضرورت" سے مراد مطلق حاجت اور تکلیف نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اضطرار اور بے بسی کی وہ حالت ہے کہ اگر انسان نے کسی ممنوع چیز کو استعمال نہ کیا تو وہ مر جائے گا یا قریب الموت ہو جائے گا۔ سیوطیؒ اور ابن نجیمؒ دونوں نے اپنی "اشباہ و نظائر" میں ضرورت کی یہی تعریف کی ہے، اور فقہ کی دوسری کتابوں میں بھی اسی طرح کی تعریف کی گئی ہے۔ اور "حاجت" اس حالت کو کہا جاتا ہے جس میں انسان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ی

مرنے یا قریب الموت ہونے کا خطرہ تو نہ ہو لیکن وہ تکلیف اور پریشانی میں مبتلا ہو۔ اردو زبان میں تو "ضرورت" اور "حاجت" ہم معنی الفاظ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں لیکن شرعی اور فقہی زبان میں دونوں کے درمیان فرق ہے جسے اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے، اس لیے کہ میری اس تحریر میں "ضرورت" کا لفظ جہاں بھی آئے تو اس سے مراد اضطرار کی درج بالا حالت ہو گی۔

یہ قاعدہ قرآن کریم کی ان آیات سے ماخوذ ہے جن میں بھوک سے نڈھال شخص (مضطر) کو مردار اور دوسرے محرمات کھانے کی اجازت دی گئی ہے بشرطیکہ وہ حقیقی معنوں میں مضطر ہو اور ضرورت سے زائد استعمال نہ کرتا ہو۔ (البقرہ ۲:۱۷۳، المائدہ ۵:۳، الانعام ۶:۱۴۵، النحل ۱۶:۱۱۵)۔ اسی طرح یہ قاعدہ اس آیت سے بھی ماخوذ ہے جس میں اپنے آپ کو موت سے بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنے کی رخصت دی گئی ہے بشرطیکہ دل میں ایمان موجود ہو۔ اگرچہ دوسرے دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیمت یہی ہے کہ شہادت کی سعادت حاصل کر لے مگر کلمہ کفر نہ کہے بلکہ کلمہ حق کہنے کا جہاد افضل کرتا رہے۔(النحل ۱۶:۱۰۶)۔

فقہاے اسلام نے اس قاعدے کا انطباق مختلف جزئیات پر کیا ہے لیکن میت کے اعضا کی پیوند کاری کی مثال کسی نے پیش نہیں کی اس لیے کہ یہ عمل اس زمانے میں رائج نہیں تھا۔ البتہ اس کی ایک نظیر کا ذکر فقہ کی کتابوں میں ملتا ہے۔ اگر کوئی شخص بھوک سے مر رہا ہو اور اس کے پاس انسانی لاش کے علاوہ دوسری کوئی چیز کھانے کے لیے موجود نہ ہو تو کیا جان بچانے کے لیے بقدر ضرورت اس کا گوشت کھانا جائز ہے؟ اس بارے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز ہے اور فقہاے شافعیہ کا مسلک اصح یہی ہے۔ امام ابو اسحاق شیرازی (متوفی ۴۷۶ھ) "المہذب" میں لکھتے ہیں: "اگر کوئی (بھوک سے مر رہا ہو) مضطر ہو گیا ہو اور اس کے پاس مردہ انسان کی لاش پڑی ہو تو اس کے لیے اس کا گوشت کھانا جائز ہے۔ کیونکہ زندہ انسان کا احترام مردہ انسان کے احترام سے زیادہ ہے (شرح المہذب)۔

مالکیہ میں سے قاضی ابن العربیؒ کے نزدیک بھی جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ بچنے کا یقین یا ظن غالب ہو۔ "میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ مضطر، انسان کا گوشت نہ کھائے الا یہ کہ جب اسے یقین ہو (یا غالب گمان) کہ یہ اس کی جان بچا لے گا"۔ (احکام القرآن، ابن عربی) لیکن مالکیہ کا اصل مسلک یہ ہے کہ انسان کا گوشت کھانا اضطرار کی حالت میں بھی جائز نہیں ہے۔ مشہور مالکی امام قرطبیؒ لکھتے ہیں: "انسان کا گوشت نہیں کھائے گا اگرچہ وہ مر جائے۔ ہمارے علما نے اسی طرح کہا ہے اور امام احمدؒ اور امام داؤدؒ کی بھی رائے ہے" (الجامع لاحکام القرآن)۔

ابن قدامہ حنبلیؒ نے خود بھی جواز کے قول کو ترجیح دی ہے اور ابو الخطاب حنبلیؒ اور بعض حنفیہ کا قول بھی جواز کے حق میں نقل کیا ہے، لیکن حنابلہ کا اصل مسلک اس طرح نقل کیا ہے: "اور اگر معصوم انسان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو مردہ پائے تو ہمارے اصحاب کے نزدیک اس کا کھانا جائز نہیں ہے" (المغنی ج ۹' ص ۴۲۱)۔

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ مالکیہؒ' حنابلہؒ اور حنفیہؒ کا مسلک یہ ہے کہ ضرورت و اضطرار کے وقت بھی انسان کی جان بچانے کے لیے مردہ انسان کا گوشت کھانا جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ انسان کا احترام و اکرام اس کی اجازت نہیں دیتا کہ گوشت کھایا جائے۔ باقی حرام چیزوں کی حرمت ان کی نجاست و خباثت کی وجہ سے ہے۔ لہٰذا موت سے بچنے کے لیے ان کی اجازت دی گئی ہے۔ مگر امام شافعیؒ' بعض مالکیہؒ' حنابلہؒ اور حنفیہؒ کی رائے یہ ہے کہ جس طرح اضطراری حالت میں انسان کی زندگی بچانے کے لیے باقی حرام چیزیں بقدر ضرورت جائز ہو جاتی ہیں' اسی طرح انسان کی لاش سے ضرورت کی حد تک گوشت کا ٹکڑا کاٹ کر کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ زندہ انسان کا احترام و اکرام اور اس کی جان بچانا مردہ انسان کے احترام سے زیادہ ضروری ہے لہٰذا بڑی مصلحت کے حصول کے لیے چھوٹی مصلحت کو قربان کر لینا چاہیے اور بڑے نقصان (موت) سے بچنے کے لیے چھوٹے نقصان (لاش کی بے حرمتی) کو برداشت کر لینا چاہیے۔ مگر اچھی طرح ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ یہ اختلاف اس صورت کے بارے میں ہے کہ جب مضطر کو مردار یا کوئی اور حلال یا حرام چیز کھانے کے لیے نہ مل سکتی ہو اور موت کا خطرہ شدید ہو۔

آنکھ کے قرنیئے' گردے اور دل وغیرہ کے مریض کے جسم میں پیوند کاری سے گوشت کا ٹکڑا کھانے کے مقابلے میں لاش کی بے حرمتی کم ہوتی ہے' لہٰذا مذکورہ قاعدے (الضرورات تبیح المحظورات) کی بنا پر اعضا کی پیوند کاری کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ بشرطیکہ متبادل دستیاب نہ ہو اور مسلمان ڈاکٹر کی رائے میں اس پیوند کاری کی کامیابی اور مریض کی صحت یابی کا "ظن غالب" ہو۔ صرف احتمال و امکان کی بنا پر انسانی اعضا کا کاٹنا جائز نہیں ہے۔

جواز کی یہ رائے قطعی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے' اس لیے کہ یہ جس نظیر پر مبنی ہے وہ اختلافی ہے' اجماعی نہیں ہے۔ وہ نظیر یہ ہے کہ ضرورت و اضطرار کی حالت میں مردہ انسان کا گوشت کھانا جمہور فقہا کے نزدیک "الضرورات تبیح المحظورات" کے شرعی قاعدے کی جزئیات میں شامل نہیں ہے اور بعض فقہا کے نزدیک اس قاعدہ شرعیہ کا انطباق اس پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ اختلافی امور میں سختی بھی مناسب نہیں ہوتی اور بے احتیاطی بھی مناسب نہیں ہوتی' اس لیے مذکورہ دو شرطوں سے مشروط پیوند کاری کی ترغیب دینا بھی مناسب نہیں ہے اور اس کو سختی کے ساتھ منع کرنا اور حرام کہنا بھی مناسب نہیں ہے۔

۲۔ انسانی اعضا کی پیوند کاری سے متعلق دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ: اذا تعارضت مفسدتان روعی اعظمھما ضررا بارتکاب اخفھما (الاشباہ للسیوطی ص ۸۷' الاشباہ لابن نجیمؒ ص ۴۴' المجلہ مادہ ۲۸) "جب دو خرابیوں کے درمیان تعارض ہو تو زیادہ نقصان دہ خرابی سے بچنے کے لیے کم تر خرابی کو اختیار کیا جائے"۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

یہ قاعدہ بھی متعدد نصوص سے ماخوذ ہے لیکن اس کی ایک واضح مثال بھی کافی ہے جو یہ ہے: "صعب بن جثامہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابواء یا ودان کے مقام پر میرے پاس سے گزر رہے تھے کہ کسی نے آپؐ سے سوال کیا کہ اگر جہاد کے دوران مشرکین پر رات کو حملہ کیا جائے (شبخون مارا جائے) اور اس میں ان کی عورتیں اور بچے بھی مارے جائیں تو اس کا حکم کیا ہے؟ آپؐ نے فرمایا: ھم منھم یہ عورتیں اور بچے بھی انھی میں سے ہیں" (صحیح بخاری)۔

لیکن بخاری شریف میں اس حدیث کے متصل بعد عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک لڑائی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی لاش کو دیکھا جو قتل کی گئی تھی تو آپؐ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کر دیا۔ ابن حجر عسقلانیؒ اور دوسرے شارحین بخاری نے دونوں حدیثوں میں یہ تطبیق کی ہے: "جب لڑنے والے مردوں تک پہنچنا ان کی عورتوں اور بچوں کو قتل کیے بغیر ممکن نہ ہو اور مخلوط ہونے کی وجہ سے عورتیں اور بچے بھی قتل ہو جائیں تو کوئی گناہ نہیں ہے" (فتح الباری)۔

دشمن کو محاذ جنگ میں بچنے اور سنبھلنے کا موقع دینا مجاہدین کے لیے زیادہ نقصان دہ ہے۔ اس لیے اس بڑے نقصان سے بچنے کے لیے مشرکین کے بچوں اور عورتوں کے قتل ہو جانے کو برداشت کیا جا سکتا ہے جبکہ مجاہدین نے ان کو ارادتاً قتل نہیں کیا تھا بلکہ وہ مخلوط ہونے یا ڈھال بنائے جانے کی وجہ سے قتل ہوئے تھے۔ یہی حکم اس صورت کے بارے میں بھی ہے کہ مشرکین نے مسلمان قیدیوں کو محاذ جنگ میں مجاہدین کے سامنے بطور ڈھال کھڑا کر دیا ہو یا بٹھا دیا ہو اور ان کو بچا کر دشمن پر حملہ کرنے اور اپنا دفاع کرنے کی دوسری کوئی تدبیر ممکن نہ ہو تو بڑے نقصان اور سب کی تباہی سے بچنے کے لیے مسلمان قیدیوں کے قتل ہو جانے کو برداشت کیا جا سکتا ہے جبکہ نیت کفار کو قتل کرنے کی ہو اور یرغمالی مسلمانوں کو بچانے کی ہر ممکن تدبیر اختیار کی جا رہی ہو۔ ابن نجیمؒ نے اشباہ میں اور حمویؒ نے شرح اشباہ میں اسی طرح لکھا ہے (الاشباہ والنظائر)۔

"اگر حاملہ عورت مر گئی ہو اور اس کے پیٹ میں بچہ ہو جو حرکت کر رہا ہو اور اگر غالب گمان یہ ہو کہ یہ زندہ ہے اور اتنی مدت کا ہے کہ زندہ رہ سکتا ہے تو اس صورت میں اس عورت کا پیٹ چاک کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اس سے انسان کی زندگی بچ سکتی ہے اگرچہ انسان کی تعظیم و تکریم کو ترک کیا جا رہا ہے لیکن تعظیم و تکریم اور احترام آدمیت کا ترک کرنا کم تر خرابی ہے بہ نسبت اس کے کہ بچے کو موت کے حوالے کر دیا جائے" (تحفۃ الفقہا)۔

مقصد یہ ہے کہ زندہ انسان کی جان بچانے کے لیے لاش کی بے حرمتی برداشت کی جا سکتی ہے۔ کیونکہ زندہ انسان کا مر جانا بڑا نقصان ہے اور لاش کے پیٹ کو چاک کرنا اس کے مقابلے میں کم تر نقصان ہے، اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیے مذکورہ شرعی قاعدے کی روشنی میں اس نقصان کو برداشت کر لینا چاہیے! لیکن اگر کسی نے کسی کا موتی یا کوئی اور قیمتی چیز نگل لی ہو اور اس کے بعد وہ مر گیا ہو تو موتی نکالنے کے لیے میت کا پیٹ چاک نہیں کیا جائے گا اس لیے کہ انسانی لاش کا احترام مال کے احترام سے زیادہ ہے۔ اگرچہ فقہ کی بعض کتابوں میں موتی نکالنے کے لیے بھی اس کی اجازت نقل کی گئی ہے، لیکن علامہ سمرقندیؒ نے اصل مسلک یہی نقل کیا ہے کہ موتی نکالنے کے لیے پیٹ چاک کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی (الاشباہ ابن نجیم)۔

مردہ عورت کے پیٹ سے زندہ بچہ نکالنے کی مثال اعضا کی پیوند کاری کی نظیر نہیں بن سکتی، اس لیے کہ اس میں جسم کے کسی عضو کو دوسرے جسم میں لگانے کے لیے کاٹا نہیں جاتا بلکہ بچے کو زندہ نکالنے کے لیے صرف پیٹ کو کھولا جاتا ہے۔ اسی طرح جہادی ضرورت کی بنا پر یرغمالی مسلمانوں اور مشرکین کی عورتوں اور بچوں کے مارے جانے کو اعضا کی پیوند کاری کی نظیر نہیں بنایا جا سکتا، اس لیے کہ اس صورت میں نہ ارادتاً قتل کیا جاتا ہے، نہ اعضا کاٹے جاتے ہیں، اور نہ اعضا کو پیوند کاری کے عمل میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ افراد کی شخصی ضرورت کو جہادی مجبوریوں پر قیاس کرنا مناسب بھی نہیں ہے۔ جنگ کی ہنگامی اور اضطراری حالت میں بہت سی چیزیں جائز ہو جاتی ہیں جو عام حالات میں جائز نہیں ہوتیں۔

البتہ اس قاعدے کا انطباق ہمارے زیر غور مسئلے پر اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ مریض کا مر جانا بڑا نقصان ہے اور میت کے عضو کو کاٹ کر مریض کے جسم میں لگانا نسبتاً کم خرابی ہے۔ اس لیے بڑے نقصان سے بچنے کے لیے میت کی بے حرمتی کو برداشت کر لینا چاہیے، بشرطیکہ متبادل موجود نہ ہو اور مریض کے بچنے کی قوی امید ہو، جس طرح بچے کی زندگی بچانے کے لیے اس کی مردہ ماں کا پیٹ چاک کرنے کی بے حرمتی برداشت کی جاتی ہے۔ مذکورہ قاعدہ نمبر ۲ کی متبادل صورت یہ بھی ہے کہ جب دو مصلحتوں کے درمیان تعارض ہو تو کم تر مصلحت پر برتر مصلحت کو ترجیح دی جائے گی۔ اگرچہ قرآن و سنت کے منصوص حکم کے مقابلے میں مصالح کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لیکن اضطراری حالت میں تو ناجائز چیزوں کے بقدر ضرورت استعمال کی اجازت نص قرآنی نے دی ہے۔

۳۔ سیوطیؒ، ابن نجیم اور مجلہ نے اس سلسلے میں ایک اور قاعدے کا ذکر بھی کیا ہے:

الضرر لا یزال بالضرر "ضرر کا ازالہ دوسرے کو ضرر پہنچا کر جائز نہیں ہے"۔

اس قاعدے کا مفہوم یہ ہے کہ ایک انسان کی زندگی بچانے کے لیے دوسرے انسان کو موت کے حوالے کرنا یا ایک کو اضطراری حالت سے نکالنے کے لیے دوسرے کو اضطراری حالت سے دوچار کرنا جائز نہیں ہے۔ اس اصول کی روشنی میں زندہ انسان کے اعضا کی پیوند کاری اور مردہ انسان کے اعضا کی پیوند کاری میں فرق ہے اور دونوں کا حکم یکساں نہیں ہے۔ اس لیے کہ زندہ انسان کے اعضا کاٹنے سے اس کی زندگی کو بھی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اور انسانی جسم کا احترام بھی مجروح ہوتا ہے۔ اس فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمام علما نے کہا ہے کہ دوسرے کی بینائی کے لیے اپنی بینائی ختم کرنا اور آنکھ کا عطیہ دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح دل یا دوسرا ایسا عضو دینا بھی جائز نہیں ہے جس کے کاٹنے کی وجہ سے خود عطیہ دینے والے کے مر جانے یا قریب الموت ہو جانے کا خطرہ ہو' کیونکہ دوسرے کی زندگی بچانے کے لیے یا اس کے ضرر کے ازالے کے لیے اپنی زندگی کو ختم کرنا یا اپنے آپ کو ضرر پہنچانا جائز نہیں ہے۔

لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ انسان صرف ایک گردہ سے زندہ رہ سکتا ہے' اور اس کا بھی غالب گمان ہو کہ اگر اس کا ایک گردہ آپریشن کے جدید اور محفوظ طریقے سے نکال کر گردے کے مریض کو لگا دیا جائے تو اس کی زندگی بچ جائے گی' تو مذکورہ قواعد کی بنیاد پر اس کی اجازت دی جا سکتی ہے مگر صرف امکان و احتمال اور معمولی سی امید کی بنا پر زندہ انسان کو نقصان پہنچانا اور اسے موت و حیات کی اضطراری حالت میں مبتلا کرنا نہ شرعاً درست ہے اور نہ یہ عقل مندی کا تقاضا ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں کو بھی بڑی احتیاط کرنی چاہیے اور مفتیوں کو فتویٰ دینے میں احتیاط کرنی چاہیے اور شرعی شرائط کو ملحوظ رکھ کر فتویٰ دینا چاہیے!

سعودی عرب کے علما کا فتویٰ

سعودی عرب میں سرکاری سطح پر علمی مباحث اور افتا کے لیے اکابر علما کی ایک مستقل کمیٹی قائم ہے۔ اس کمیٹی نے آنکھوں کے قرنیئے کی پیوند کاری کے بارے میں علمی تحقیق اور آنکھوں کے ڈاکٹروں کی رائے معلوم کرنے کے بعد کثرت رائے سے درج ذیل فتویٰ دیا تھا جو ۲۵ شوال ۱۳۹۸ھ کو ایک قرارداد کی صورت میں جاری ہوا تھا۔

"بحث و تحقیق اور نقطہ ہائے نظر کے تبادلے کے بعد کمیٹی نے کثرت رائے سے یہ رائے قائم کی ہے کہ موت کا یقین ہو جانے کے بعد میت کی آنکھ کا قرنیہ لے کر کسی مسلمان کی آنکھ میں لگانا جائز ہے بشرطیکہ وہ مضطر ہو اور متبادل علاج موجود نہ ہو' اس عمل کی کامیابی کا غالب گمان اور قوی امید ہو اور میت کے وارثوں نے اس کی اجازت دے دی ہو۔ یہ رائے ان قواعد پر مبنی ہے کہ "اعلیٰ مصلحت کو ادنیٰ مصلحت پر ترجیح دینی چاہیے"' "بڑے ضرر سے بچنے کے لیے کم تر ضرر کو اختیار کر لینا چاہیے" اور "زندہ شخص کی مصلحت کو میت کی مصلحت پر ترجیح دینی چاہیے"۔ اس لیے کہ اس عمل سے میت کو نقصان نہیں پہنچتا کیونکہ وہ تو مر گیا ہے اور زندہ شخص کی بینائی بحال ہو جانے کی امید کی جا سکتی ہے جس کی بحالی سے وہ خود بھی نفع اٹھائے گا اور امت مسلمہ بھی اس کی بینائی سے نفع اٹھائے گی۔ اس عمل میں میت کا دکھائی دینے والا مثلہ بھی نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کی آنکھیں اچھی طرح بند کر دی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اگر طبی تحقیق سے ثابت ہو جائے کہ مریض کی آنکھ کا نکالنا ضروری ہے اور اس کا اپنی جگہ پر برقرار رہنا خطرناک ہے تو اس صورت میں نکالی گئی آنکھ کا قرنیہ نکال کر دوسرے مسلمان کی آنکھ میں لگانا بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ اس آنکھ کا نکالنا مریض کی صحت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے اور اس کا قرنیہ لے کر دوسرے مسلمان کی آنکھ میں لگانے سے اسؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا اور دوسرے کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس لیے شریعت اور انسانیت کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تقاضا یہ ہے کہ اس عمل کی اجازت دے دی جائے" (مجلۃ البحوث الاسلامیہ عدد ۱۴، ص ۶۷)۔

الجزائر کے علما کا فتویٰ

الجزائر کی تعلیم اور مذہبی امور کی وزارت کی کمیٹی برائے افتا کی رائے کا خلاصہ یہ ہے: "کمیٹی نے اطبا کا بیان سننے اور علما کے ساتھ بحث و مباحثے کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ زندہ انسان سے خون لے کر مریض کو دینے یا کوئی عضو (مثلاً گردہ) نکال کر مریض کو لگانے کے لیے ایک شرط تو یہ ہے کہ خون یا عضو دینے والا اپنی خوشی سے دے رہا ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس سے اس کی موت کا خطرہ بھی نہ ہو اور ضرر پہنچنے کا کوئی اندیشہ بھی نہ ہو۔ اگر عطیہ دینے والے کی موت کا یا ضرر پہنچنے کا خطرہ ہو تو پھر یہ عمل جائز نہیں ہے اگرچہ وہ راضی ہو اس لیے کہ یہ خودکشی ہے یا اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ میت کا عضو لے کر پیوند کاری کرنا اسی وقت جائز ہے کہ ڈاکٹروں کو یقین ہو جائے کہ موت واقع ہو گئی ہے اور جسم میں زندگی کا اثر باقی نہیں رہا۔ اگر معمولی سا شک بھی ہو کہ مریض ابھی زندہ ہے تو اس کا کوئی عضو لینا جائز نہیں ہے اس لیے کہ ایسی صورت حال میں جسم کو چاک کرنا قتل عمد کے مترادف ہے (مجلۃ البحوث الاسلامیہ، ص ۴۴ اور ۵۰)۔

ملائشیا کی بین الاقوامی کانفرنس کا فیصلہ

۱۹۶۹ میں ملائشیا میں ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں اعضا کی پیوند کاری کے مسئلے پر بحث کرنے کے لیے شیخ عبداللہ کنون کی صدارت میں ایک کمیٹی بنائی گئی تھی۔ کمیٹی نے ملائشیا کے علما اور مختلف فتاویٰ اور آرا کی روشنی میں بحث و مباحثہ کیا اور یہ رائے قائم کی کہ اعضا کی پیوند کاری کا عمل جائز تو ہے مگر اس کے لیے شرائط ہیں جن کے بغیر جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا۔

مریض کے اضطرار اور معطی کی موت کے یقینی ہونے کے علاوہ ایک شرط یہ ہے کہ مریض اضطراری حالت میں ہو اور اس کی زندگی بظاہر اس عمل سے بچ سکتی ہو اور کوئی دوسرا متبادل علاج موجود نہ ہو۔

ایک شرط یہ ہے کہ اس بات کا یقین اور احتیاطی تدابیر کا علم حاصل کر لیا جائے کہ اعضا کی پیوند کاری کا یہ عمل انسانوں کے قتل یا انسانی اعضا کی تجارت اور کاروبار کا ذریعہ نہیں بنے گا۔

ایک مزید شرط یہ ہے کہ میت کے وارثوں کی رضامندی حاصل کر لی گئی ہو یا مرنے والے نے وصیت کی ہو کہ میرے جسم کا فلاں عضو لے لیا جائے (مجلۃ البحوث الاسلامیہ، ص ۵۱ - ۵۴)۔

مشہور محقق ڈاکٹر عبدالکریم زیدان کی تحقیق بھی یہی ہے۔

مذکورہ تمام آرا کی بنیاد "اضطرار و ضرورت" کا قاعدہ ہے اور "اھون البلیتین" اور اقوی المصلحتین کے قواعد سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں جو وصیت کا ذکر کیا گیا ہے اس کی تو کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، کیونکہ وصیت اسی چیز میں معتبر ہو سکتی ہے جس میں میراث جاری ہوتی ہو۔ البتہ وارثوں کی اجازت ضروری ہے، اس لیے کہ وہ میت کی تدفین و تجہیز کے شرعاً ذمہ دار ہیں۔ اگرچہ میت کے اعضا اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس کا جسم وارثوں کی ملکیت نہیں ہے۔

قاعدہ سد ذریعہ

جس طرح کہ شریعت میں اضطرار و ضرورت کے وقت ناجائز چیزیں بقدر ضرورت جائز ہو جاتی ہیں' اسی طرح قرآن و سنت سے ثابت شدہ قاعدہ "سد ذریعہ" کے تحت جائز اور مباح بلکہ مستحب اور مستحسن چیز جب کسی بڑی خرابی کا ذریعہ بن رہی ہو تو وہ اس وقت تک ممنوع ہو جاتی ہے جب تک کہ اس سے خرابی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ اس قاعدے کی جزئیات اور دلائل سے اہل علم بخوبی واقف ہیں اور حافظ ابن قیمؒ نے "اعلام الموقعین" میں اس کی ۹۹ مثالیں پیش کی ہیں۔ اس قاعدے کی روشنی میں جب اعضا کی پیوند کاری کے مسئلے کا ہم جائزہ لیتے ہیں تو اس کا ایک دوسرا پہلو سامنے آتا ہے اور وہ یہ کہ اگر علاج کا یہ طریقہ عام ہو جائے اور اس کا شرعی جواز بھی فراہم کر دیا جائے تو انسانی لاشیں مال تجارت بن جائیں گی' انسانی اعضا کا بڑے پیمانے پر کاروبار شروع ہو جائے گا اور انسانیت و آدمیت کی کرامت ختم ہو کر رہ جائے گی۔ نفس پرستی اور خود غرضی کے اس دور میں یہ بھی بعید نہیں ہے کہ کچھ لوگ اپنی عیاشی اور خود غرضی کے لیے غریبوں اور ان کے بچوں کی زندگی سے کھیلنا شروع کر دیں۔ بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کچھ لوگ اپنی غربت اور مفلوک الحالی کی وجہ سے اپنے رشتے داروں کی لاشیں فروخت کرنا شروع کر دیں جب کہ ان کو خدمت خلق کے نام سے ترغیب و تحریص بھی دلائی جا رہی ہو۔ ظاہر ہے کہ انسانی لاشوں اور ان کے اعضا و اجزا کا مال تجارت بن جانا شرعی اور اخلاقی لحاظ سے بہت بڑی خرابی ہے۔ چنانچہ اگر اعضا کی پیوند کاری کا عمل اس بڑی خرابی کا ذریعہ بن رہا ہو تو اضطراری حالت میں جائز ہونے کے باوجود اس پر پابندی لگائی جا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ملائشیا کانفرنس کے فیصلے میں جواز کے لیے یہ شرط بھی لگائی گئی ہے کہ یہ عمل انسانی اعضا کے کاروبار کا ذریعہ نہ بن رہا ہو۔

مفتی محمد شفیعؒ اور مولانا محمد یوسف بنوریؒ کی رہنمائی میں کراچی کے اکابر علما کے ایک بورڈ نے فتویٰ دیا تھا کہ انسانی اعضا کی پیوند کاری جائز نہیں ہے اور ان کا عطیہ دینا یا وصیت کرنا بھی شرعاً معتبر نہیں ہے۔ یہ فیصلہ "اعضا کی پیوند کاری" کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔ دوسرے اکابر علما کی بھی یہی رائے ہے۔ اس کی ایک وجہ تو وہ نصوص ہیں جن میں انسانی اعضا کی قطع و برید اور استعمال و ابتذال ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عمل انسانی لاشوں کا مال تجارت بننے کا ذریعہ ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ اکابر علما اضطراری حالت میں حرام چیزوں کے غذا یا دوا استعمال کرنے کو جائز سمجھتے ہیں لیکن انسانی اعضا کی ترقیع کے جواز کے اس لیے قائل نہیں ہیں کہ یہ احترام آدمیت کے منافی ہے۔ اس کے علاوہ ان اکابر اہل علم نے صرف "قانون ضرورت" کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ "قانون سد ذریعہ" کے مقتضیات کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ عرب' الجزائر' ملائشیا اور عالم اسلام کے بعض اہل علم کی رائے یہ بنی ہے کہ مال تجارت بننے سے روکنے کی انسدادی تدابیر کی جانی چاہییں اور اضطراری حالت میں اس عمل کی اجازت دے دینی چاہیے!

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"تفہیم المسائل" حصہ اول میں، میں نے نصوص کی روشنی میں بحث کی تھی اور نصوص تو ظاہر ہے کہ انسانی اعضا کی منتقلی کی ممانعت پر دلالت کرتی ہیں۔ اور علما راسخین کی تحقیق بھی یہی ہے کہ یہ عمل جائز نہیں ہے لیکن بعد میں جب میں نے اضطرار، مصلحت اور سد ذریعہ کے قواعد کی روشنی میں غور کیا تو معلوم ہوا کہ اضطراری حالت میں بقدر ضرورت باقی حرام چیزوں کی طرح اعضا کی ترقیع کی اجازت بھی دی جا سکتی ہے۔ یہ رائے پہلی رائے کے خلاف نہیں ہے، اس لیے کہ اصولاً تو نصوص کی وجہ سے انسانی اعضا کا استعمال ممنوع ہے اور اضطرار کے مسئلے کو میں نے چھیڑا نہیں تھا۔ میرا خیال تھا کہ متبادل مصنوعی اعضا موجود ہیں۔ اب معلوم ہوا کہ بعض اعضا کا متبادل ابھی تک ایجاد ہی نہیں ہوا اور بعض ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اس لیے مذکورہ بحث کی روشنی میں میری ناقص رائے یہ ہے:

۱۔ اصولاً تو انسانی اعضا کی پیوند کاری اور ان کا استعمال و ابتذال ممنوع ہے اور یہ ممانعت احادیث رسولؐ سے ثابت ہے۔

۲۔ لیکن "الضرورات تبیح المحظورات"، "اختیار اھون البلیتین" اور ترجیح اقوی المصلحتین کے شرعی قواعد کے تحت اضطراری حالت میں بقدر ضرورت یہ عمل جائز ہے مگر اس کے لیے درج ذیل شرائط ہیں۔ ان میں سے اگر ایک بھی پوری نہ کی گئی ہو تو پھر اعضا کی منتقلی کی شرعاً اجازت نہیں دی جا سکتی۔

(الف) مریض کی موت یا اس کے کسی عضو کے ضائع ہو جانے کا شدید خطرہ ہو۔

(ب) ماہرین کی رائے یہ ہو کہ انسانی عضو کی پیوند کاری سے مریض کے شفایاب ہونے کی قوی امید ہے اور اس عمل کی کامیابی کا غالب گمان ہے۔

(ج) جس شخص کی لاش سے کوئی عضو لیا جا رہا ہو، اس کے بارے میں اچھی طرح یقین حاصل کر لیا گیا ہو کہ یہ مر گیا ہے اور اس کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں رہی۔

(د) اگر زندہ شخص کا کوئی عضو مثلاً گردہ لیا جا رہا ہو تو اس صورت میں یہ یقین یا غالب گمان حاصل کر لیا گیا ہو کہ اس کی زندگی کو کوئی خطرہ نہیں ہے اور وہ اپنی خوشی سے یہ عطیہ دے رہا ہے۔

(ہ) میت کے شرعی وارثوں نے اس کا کوئی عضو لینے کی اجازت دے دی ہو اس لیے کہ وہ اس کی تدفین و تجہیز کے شرعاً ذمہ دار ہیں اور اگر میت لاوارث ہو تو علاقے کا مجاز قاضی اس کا وارث ہے جس کی اجازت پر عضو لیا جا سکتا ہے۔

(و) اس بات کا اطمینان حاصل کر لیا گیا ہو کہ اعضا کی پیوند کاری کا یہ عمل انسانی اعضا کے کاروبار کا ذریعہ ثابت نہیں ہو گا۔ اور حکومتوں نے اس بارے میں قانون کے ذریعے تمام انسدادی اور احتیاطی تدابیر اختیار کر لی ہوں۔

© rasailojaraid.com